

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بحیثیت سپہ سالار

مُترجم

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ایم اے، ایم او ایل، پی ایچ ڈی
ایم اے عربی، اردو، فارسی، اسلامیات



ناشر: مسجد الفرقان ملیر کینٹ بازار، کراچی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن
ایم اے، ایم او ایل، پی ایچ ڈی
ایم اے عربی، اردو، فارسی، اسلامیات

جامع مسجد الفرقان ملیر کینٹ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

"بلاشبہ آپ بڑے اخلاق پر ہیں"

(قرآن کریم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

[التوبۃ : ۴۱]

[redacted]

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا

نام کتاب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

مترجم : بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن (ر)

ناشر : جامع مسجد الفرقان ملیر کینٹ کراچی

تعداد : ۱۱۰۰

فہرست

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کی چند جھلکیاں

ہمارے رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں ۹ ربیع الاول پیر کے روز ۲۰ اپریل ۵۷۱ م کو صبح صادق کے بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخِ انسانیت میں یہ دن سب سے زیادہ بابرکت اور درخشان وتابندہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے معزز قبیلہ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔ آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے کچھ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ اس لئے آپ یتیم پیدا ہوئے ۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کی اطلاع ملی تو بیحد خوش ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے مرحوم نوجوان اور پیارے فرزند جناب عبداللہ کی یادگار تھے۔ اپنے نوجوان بیٹے کی اچانک وفات سے ضعیف العمر باپ کو جو شدید صدمہ ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت سے ایک حد تک اس کا ازالہ ہو گیا۔ دادا خوشی خوشی پوتے کو دیکھنے کے لئے گھر آئے، آپ کو گود میں اُٹھا کر برکت کے لیے خانہ کعبہ میں لائے اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے۔ ساتویں دن اپنے لاڈلے پوتے کا عقیقہ کیا اور قریش کو کھانے کی دعوت بھی دی۔ کھانے کے بعد قریش نے پوچھا عبدالمطلب! آپ نے اپنے جس بیٹے کے لئے ہماری ضیافت کی ہے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آسماں میں

اللہ اور زمین میں اسکی مخلوق آپ ؐ کی تعریف کرے، جبکہ آپ ؐ کی والدہ ماجدہ نے خالق حقیقی کی طرف سے اشارہ پاکر آپ کا نام احمد رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد قرآن پاک میں ایک مرتبہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چار مرتبہ آیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلیمہ سعدیہ نے بنو سعد کے دیہات میں دودھ پلایا (عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پینے کے لئے دیہات کی کھلی فضاء میں بھجوادیا کرتے تھے تاکہ بچہ خالص عربی زبان سیکھنے کے ساتھ صحیح نشوونما پاسکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سال سے کچھ اوپر وہاں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی عمر کے چھٹے سال میں تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دادا کے ننھیال مدینہ منورہ لے گئیں اور واپسی پر ابوا کے مقام پر انتقال کر گئیں، پھر اُم ایمنؓ آپ کو دادا جی کے پاس لے کر آئیں، انہوں نے خیال رکھا اور دادا عبدالمطلب نے پرورش کی، وہ اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتے تھے، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ سال کے تھے کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کی، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریاں بھی چرائیں اور اپنے چچا کا ان کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے مضاربت پر شام کا تجارتی سفر کیا، جس میں خاطر خواہ نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئیں۔ شام سے واپسی کے دوماہ بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہوگئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال تھی اور وہ اس سے پہلے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اتنے پیارے تھے کہ مکہ والوں نے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "الصادق" اور "الامین" کے خطاب دیئے۔ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کئے گئے بلکہ ختم نبوت کا تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پہ رکھ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم پر اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ لوگ توحید کا پیغام سننے کے موڈ میں نہ تھے اس لئے سخت مخالف ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفتوں کی پرواہ کئے بغیر ۱۳ سال تک یہ فریضہ انجام دیا جب مکہ کی سرزمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنگ کردی گئی اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کردینے کا منصوبہ بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا گھیراؤ کرلیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہی میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کے معنی قائد کے اپنی فوج کے ساتھ محفوظ مقام پر منتقل ہونے کے ہیں۔ اہل مدینہ (کے مسلمانوں) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاندار استقبال کیا، مگر مشرکین مکہ نے وہاں بھی آرام سے رہنے نہ دیا اور جنگ کے لئے آمادہ ہوئے۔

۲ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت ملی اور اسی سال بدر کے مقام پر بدر کا معرکہ ہوا جس میں ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے ستر نامی گرامی آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ اس معرکہ سے کافروں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی مگر ان کافروں کا جوش انتقام مزید بڑھتا گیا اور معرکوں پر معرکوں کی نوبت آتی رہی۔ دس سال کے اس عرصۂ قیام میں ۲۸ غزوات کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود قیادت کی، غزوہ ودان ۲ھ سے اس کا سلسلہ شروع ہوا اور ۹ھ غزوہ تبوک اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں کو مشرکین اور یہود سے ۹ غزوات بدر، اُحد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح مکّہ، حنین اور طائف میں جنگ کی نوبت آئی جبکہ ۱۹ غزوات میں مشرک مقابلہ سے کترا کر بھاگ نکلے اور جنگ کی نوبت

نہیں آئی۔غزوہ اُحد کے علاوہ ان تمام غزوات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔غزوہ اُحد میں بھی پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی مگر جب گھاٹی پہ متعین ۵۰ صحابہ میں سے اکثر نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح حکم کے خلاف، مکمل فتح ہو جانے کے خیال سے اپنی جگہ چھوڑ دی تو اس جگہ کو خالی پا کر خالد بن الولید کے حملہ سے مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہوئے اور مبارک دانت بھی شہید ہوا۔ایسے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سپاہ کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخموں سے چور صحابہ کو دوبارہ حملہ کرنے اور ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرمایا تو سب حاضر تھے اور انہوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ اس سے مسلمانوں کے کسی قدر غلبے اور برتری کا ثبوت ملتا ہے۔

عسکریت سے متعلق کتابوں میں ایک بہترین قائد کی خوبیوں میں صحیح اور فوری فیصلہ کرنے کی قوت، ذاتی دلیری اور مضبوط ارادہ، بغیر ہچکچاہٹ کے ذمہ داری اٹھانا، جنگی اصولوں سے پوری واقفیت، ناقابلِ تبدیل مورال، بصیرت، ماتحتوں کا باہمی اعتماد اور باہمی محبت، مؤثر شخصیت، بے داغ ماضی اور بدنی قابلیت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تمام صفات نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھیں بلکہ بدرجۂ اتم موجود تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتوحات کے تین اسباب تھے:

۱۔ بہترین قیادت

۲۔ بہترین سپاہی

۳۔ حق و باطل کی جنگ۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کا تعلق ہے تو اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ اسلام کے بہادر سپوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''جنگ انتہائی شدت اختیار کر لیتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پناہ

لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دشمن کے قریب کوئی نہ ہوتا تھا۔"

بحیثیت قائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر بوقت سہ پہر ۶۳ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ مدینہ میں آہ و بکا کے نالے بلند ہوئے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی مگر اس کے باوجود انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان گنت درود و سلام ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے نمونے پر چلنے کی امت کو پوری توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

بحیثیّت سپہ سالار تعمیر انسانیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گونا گوں صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک تھے۔ پوری انسانیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کامل مثالیں چھوڑی ہیں جن سے ہر زمانہ میں پوری انسانیت سبق حاصل کرتی رہے گی خاص طور پر عسکریت کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی و شافی ہدایات چھوڑی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی حیات انسانی کے اس شعبہ کے بہت ہی قریب رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات کو تائیدِ الٰہی حاصل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر کامیابی میں اس کا بڑا عمل دخل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت بشیر بھی تھے اور نذیر بھی، فقیہہ بھی تھے اور قاضی بھی، امورِ سیاست کے ماہر بھی اور وہ اعلیٰ ترین مدبّر بھی، سپہ سالار بھی اور سپاہی بھی، تائیدِ الٰہی کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر کامیابی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی صلاحیتون کا بڑا عمل دخل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اس طرح وضاحت کی ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

(سُوْرَۃُ الْاَنْعَام: ۱۲۴)

”اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو جہاں بھیجے اپنے احکام“۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہترین نمونہ تھے اور اپنے وصال کے بعد ہر زمان و مکان میں تمام مسلمانوں کے لیے دائمی نمونۂ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○

"تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے۔اس کے لیے جو کوئی اللہ اور آخرت کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمہارے لیے کامل نمونہ ہے۔"اسوۂ حسنہ" کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال واعمال کی پوری پیروی کی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واعمال ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر صلاحیتوں کا نچوڑ ہیں اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ محبوبہ کا آئینہ ہیں۔جن کی اتباع لازم ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لیے اللہ کی طرف سے پوری انسانیت کے لیے رہبر و رہنما بنا کر بھیجے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حصّہ میں نہ آسکی۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ پوری نسانیت زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر عمل سے کامل نمونہ حاصل کرسکتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند اور اعلیٰ خصوصیات سے ہر انسان اپنی عملی زندگی میں روشنی حاصل کرسکتا ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ منفرد صلاحیتیں تمام انسانوں کے لیے روشنی کا چراغ ہیں، ہر دور اور زمانہ کے لیے ہدایت کا مینار ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر موڑ پر انہیں روشنی بہم پہنچاتی ہیں۔

منزلِ حیات عطا کرتی اور زندگی کی راہوں میں چلنے والوں کے لیے نور ہیں۔

آج کی جنگ کا رخ اسرائیل کی طرف ہے۔ اسرائیل کے پاس عرب ملکوں پر قبضہ کرنے کا وسیع پروگرام ہے، اپنے اس ارادہ کا وہ اعلان کرتا ہے ایسے میں اسرائیل سے نمٹنے کے لیے عربوں کو اپنے حال اور مستقبل دونوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی صلاحیتیں بطور رہنما کے کام آسکتی ہیں۔ آج کے دورِ عصبیت میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کا چراغ ہی روشنی مہیا کر سکتا ہے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کو پڑھ کر محسوس کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلاحیتیں ہی وہ صلاحیتیں ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہی ہر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلاحیتیں اور خصوصیات منفرد اور ممتاز ہیں اور یہ خصوصیت تو سب سے ممتاز ہے کہ صحیح کام کے لیے صحیح آدمی کا انتخاب ہو، میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس خصوصیت میں سب سے ممتاز ہیں اور اسی چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر کامیابی کو ممکن بنایا، میدان جنگ ہو یا صلح کا معاہدہ، ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خوبی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کی صلاحیتون کو بخوبی جانتے تھے، ہر وہ خوبی جو کسی صحابی میں ممتاز ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نئی جمعیت اسلامی کے لیے اس سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خامیوں سے بھی واقف تھے، اگر کسی میں کوئی کمی دیکھتے تو چشم پوشی فرماتے اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ فرماتے، بلکہ ان کی اچھی صفات کو سامنے لاتے اور صحابہ کو بھی ایک دوسرے کی خامیوں سے صرفِ نظر کا حکم دیتے تھے۔ انہیں بھی یہی حکم تھا کہ باہمی خوبیوں ہی کا تذکرہ ہوا کرے اور بالکل بھائیوں کی طرح رہا کریں۔

پوری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی طرزِ عمل رہا کہ اپنے صحابہ کی خوبیوں کا

تذکرہ فرماتے اور ان کو مسلمانوں کے عام مفاد میں لاتے اپنی مخصوص حکمتِ عملی اور دانائی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کیا کرتے ویسے ہی جیسے ایک شفیق باپ اولاد کی کرتا ہے اس عمدگی اور خوبی سے انسانوں کی تعمیر کی، انہیں گرانے کے بجائے اوپر اٹھایا جس میں کجی دیکھی اس کی اصلاح کی، اسے توڑا نہیں، اسے حال اور مستقبل دونوں کے لیے قابل اور مضبوط بنایا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم الیقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری طرح جانتے تھے کہ ہر انسان میں اپنی مخصوص خوبیوں کے ساتھ چند خامیاں بھی ہوتی ہیں کیونکہ کمال ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے اسی کے تحت صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوبیوں کو اجاگر کرتے، ان کی رہنمائی اور تربیت کرتے، جس سے ان کی خوبیوں کو اور جلا ملتی تھی، پھر ان کی خامیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم پوشی نے ان خامیوں پر پردہ ڈال دیا اور رفتہ رفتہ وہ خامیاں دور ہو گئیں اور ان کا اثر بھی ختم ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری طرح جانتے تھے کہ ہر نقصان بنیادی طور پر چند نقائص کا حامل ہوتا ہے اور عقل مند کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے ان نقائص اور خامیوں پر نظر رکھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی خامیوں سے صرف نظر کر کے ان کی خوبیوں سے عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے کام لیتے، کسی کی خامیاں اس کے لیے وبالِ جان اور روگ نہ بنتیں، کیونکہ اس کی شخصیت کا زاویہ کمال سامنے آجاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ صاحبِ کمال کے کمال کو سراہتے اور اس کا بجا طور پر ذکر فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف صلاحیتوں کے لوگ تھے کچھ ایسے جو صاحبِ ثروت تھے اور مال و دولت میں دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مال سے اوروں کو مستفید کیا، انہیں شہ زوروں کی مقابلہ کے

لیے آگے نہیں کیا، کچھ وہ تھے جو قائدانہ صفات میں ممتاز تھے انہیں مسلمانوں کی قیادت سونپی اور جنگوں اور غزوات میں انہیں قائد بنایا، کچھ ایسے تھے جو ذاتی شجاعت میں ممتاز تھے مگر قیادت کی قابلیت ان میں نہ تھی، مبارزت طلبی میں شہ زوروں کے مقابلہ میں انہیں آگے کرتے اور بحیثیت سپاہی اور مجاہد کے فدائیانہ کام ان سے لیتے، کچھ ایسے تھے کہ وہ پختہ رائے کے مالک تھے اور گہری فکرو دانش ان میں تھی، ان کی رائے، دانائی اور مشورہ سے فائدہ اٹھاتے بعض ایسے تھے جو اعلیٰ درجہ کے شاعر اور زورِ بیان مین ممتاز تھے ان کی شعر و شاعری اور بیان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی طرز عمل تھا۔ ۷ھ میں عمرۂ قضا کی ادائیگی کے موقع پر مکہ میں ولید بن الولید مخزومی سے ان کے بھائی خالد بن ولید کے بارے میں یوں پوچھا کہ خالد کہاں ہے؟ خالد جیسا آدمی اسلام سے بے خبر ہے؟ اگر وہ اپنی صلاحیتوں کو مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کی حمایت میں پیش کر دیتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا اور ہم ان کا خیر مقدم کرتے اور انہیں ترجیح دیتے''۔ ولید بن الولید نے اس کے متعلق اپنے بھائی خالد کو لکھا اور یہی بات خالد کی ہجرت اور اسلام کا باعث بنی۔

خالد بن الولید یکم صفر ۸ھ کو اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ہجرت کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ خالد کہتے ہیں کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو یا نبی اللہ کہہ کر سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' خالد میں تجھ میں ایسی عقل دیکھتا تھا جس سے مجھے اُمید تھی کہ وہ تمہیں بھلائی پر لے آئے گی''۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ میں اپنی ان تمام سرگرمیوں کی معافی چاہتا ہوں جو اسلام کے خلاف میں نے انجام دیں۔ اس پر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو اسلام لانے سے پہلے کسی نے کیے ہوں''۔

میں نے عرض کیا کہ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے بخشش کی دعا مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا کی ''اے اللہ! اسلام کے خلاف خالد بن الولید نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب معاف کر دے''۔ میرے قبولِ اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ میں سے مجھے بہت ہی چاہتے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قیادت عطا کی۔

عمرو بن العاص کے بارے میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی قیادت سونپی، خالد اور عمرو جب اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں! مکہ نے اپنے دل کے ٹکڑے نکال کر تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں''۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مالدار اور غنی تھے۔ ان کے مال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ یوں کہ انہوں نے ایک مربد[1] بیس ہزار میں خرید کر اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور مسلمانوں کے لیے بئر رومہ خریدا (تا کہ انہیں پانی کی دقت نہ ہو)۔ غزوۂ تبوک کے لیے جیش العُسرہ کو تیار کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مدینہ سے شمال کی جانب رومیوں کے مقابلے کی خاطر روانہ ہوا اور اس لشکر کی ضرورت کی ہر چیز انہوں نے پوری کی حتیٰ کہ اونٹوں کی نکیل اور گھوڑوں کی باگیں مہیا کیں۔ ہم نے کبھی یہ نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو کبھی میدانِ جنگ میں شہ زوروں کو زیر کرنے کی تکلیف دی ہو۔

---

[1] مربد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوریں خشک کرنے کے لئے ڈال دی جاتی ہیں

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک اچھے اور عمدہ شاعر تھے ان کی شعری صلاحیتوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا یا مگر جنگ پر جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں عورتوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے وقت کے نہایت دلیر اور بہادروں میں شمار ہوتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قیادت کے منصب پر فائز نہیں کیا اور وہ مسلمانوں کے لشکر ہی میں رہے اس لیے کہ وہ ممتاز سپاہی تو تھے مگر ممتاز قائد نہ تھے۔

بعض صحابی عمدہ قاری اور اچھے کاتب تھے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابتِ وحی اور بادشاہوں اور امراء کو خط لکھنے پر مامور فرمایا اور ان میں کچھ منتظم، داعی، سیاح اور قاضی تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق کام سونپا۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند ایک نے یہ چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود انہیں انتظامی اُمور کی باگ ڈور سونپ دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کی بات سے اتفاق نہیں کیا کہ وہ یہ کام چلانے کے اہل نہ تھے اور بعض کو تو صاف صاف بتا دیا کہ یہ آپ کے بس کا کام نہیں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے دو چچا زاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے امیر مقرر کر دینے کی فرمائش کی، دوسرے نے بھی وہی بات کہہ دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہم یہ کام کسی ایسے شخص کو نہیں سونپتے جو خود مانگے اور اسے بھی نہیں دیتے جو اس عہدہ کا حریص ہو“۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے

عامل کیوں نہیں بنا دیتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کر فرمایا ”اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) تم ایک کمزور آدمی ہو، جبکہ امارت امانتِ الٰہی ہے جو قیامت میں ندامت اور رسوائی کا باعث بن سکتی ہے سوائے اس شخص کے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ حاصل کیا ہو اور بہ طریق حق اسے چلایا ہو“۔

فتح مکہ سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کی مہم کا ارادہ فرمایا تو پوری مہم کو پوشیدہ رکھا بطور ایک سپہ سالار کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے مکہ تک کی اس مہم کو پوری طرح پوشیدہ رکھا اسی طرح فتح میں اپنے فوجی دستوں کو بھی مخفی رکھا مقصود یہ تھا کہ قریش کو بے خبری کے عالم میں جالیا جائے اور کسی خونریزی کے بغیر انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کے نام ایک خط لکھ کر مکہ جانے والی ایک عورت کو دیدیا تاکہ قریش کو مسلمانوں کی نیت اور فتح مکہ کے ارادے کے بارے میں علم ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی اس بات کا پتہ چل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کو مذکورہ عورت کی تلاش میں بھیجا تاکہ جہاں ہو اسے تلاش کر کے اس سے وہ خط لیں انہوں نے اُسے جالیا اور اس سے وہ خط لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ ایسا کیونکر ہوا؟

حاطب نے جواب دیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، مجھ میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی، بات یہ ہے کہ میرا کوئی رشتہ دار مکہ میں ایسا نہیں جو میرے بچوں کی وہاں دیکھ بھال کر سکے، وہاں ان میں میرے بال بچے ہیں، ان کی حفاظت کی خاطر میں نے یہ ترکیب نکالی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کی گردن اڑا دوں، دراصل یہ شخص منافق ہو گیا ہے“۔ اس پر آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا" حاطب نے تم سے سچی بات کہہ دی ہے کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا" اے اہلِ بدر! تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے""۔

حاطب کے شاندار ماضی نے جو جہاد سے بھرپور تھا ان کی سفارش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں معاف کر دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کا ذکر اچھے ہی الفاظ میں کیا کریں۔

اس کے بعد حاطب رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت میں رہے، انہیں کبھی کسی نے بُرے الفاظ سے یاد نہیں کیا، بلکہ صحابہ کرام ان کا اچھا ہی ذکر کرتے، وہی بات کہتے جو انہیں بھلی معلوم ہوتی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور خصلتوں ہی کا تذکرہ کیا کرتے۔

فتح مکہ کے بعد عکرمہ ابن ابی جہل مسلمان ہوئے اور وہ بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے، پھر ان کا شمار چوٹی کے مجاہدوں میں ہونے لگا۔ اللہ کی راہ میں جان و مال دونوں لگا دیئے۔ عکرمہ اسلامی فتوحات کے چند بڑے سالاروں میں سے تھے۔

ان کے والد دینِ حق، اسلام، مسلمانوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ بدر میں کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے کام آئے جیسا کہ مشہور ہے اور ایسی موت مرے جس پر افسوس نہ ہو۔ ان کی موت سے مسلمانوں کو ایک کٹر دشمن سے خلاصی ملی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم ابن ہشام کو ابو جہل کے نام سے یاد کیا کرتے مگر جب ان کے بیٹے عکرمہ مسلمان ہوئے اور وہ اچھے مسلمان ثابت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا" دیکھو عکرمہ مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ رہا ہے جب اسے دیکھو تو اس کے باپ کو بُرا نہ کہنا کہ میّت کو بُرا بھلا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی

ہے“۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کو بُرا بھلا کہنے سے روکا تاکہ اس کے مسلمان بیٹے کا اکرام ہو اور اس مسلمان کو نفسیاتی طور پر اپنے باپ کے بارے میں بُرا بھلا سُن کر تکلیف نہ ہو۔ اسلامی جماعت کے اندر اسے کسی طرح کی تنگی اور گھٹن نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو درس دیا کہ جو لوگ اس دنیا سے چل بسے ہیں وہ اپنے کیے کا انجام پا چکے ہیں اور تمہارے کام صرف تمہارے ہی اعمال آئیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمام خوبیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ اُن سے فائدہ اٹھاتے، لوگوں کے سامنے ان کی خوبیوں کو نمایاں کرتے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے سراہتے اور عین اسی وقت ان کی خامیوں سے صرف نظر کر لیتے اور چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اچھوتا طریق کار تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی سیرت سازی کی اور اس کے بغیر اور کوئی طریقہ ہے بھی تو نہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان سے رخصت ہوئے تو مسلمانوں کے پاس سپہ سالار بھی تھے اور حکمران بھی، والی بھی اور قاضی بھی، علماء بھی اور فقہاء بھی اور محدّث بھی، جنہوں نے اُمتِ اسلامیہ کی سیاسی، تنظیمی، فکری، اقتصادی اور اجتماعی لحاظ سے ایسی قیادت کی کہ اسے بزرگی، سرداری، بھلائی، راہِ حق اور سیدھی راہ تک پہنچا دیا۔

آج ہمارا فرض ہے کہ ہم یہ سبق سپہ سالاروں کے سپہ سالار، سرداروں کے سردار، بہادروں کے بہادر، شہ زوروں کے شہ زور، مجاہدوں کے پیشوا، عمل کرنے والوں کے لیے بہترین نمونہ، نبی عربی، اُمّی لقب علیہ الصّلوٰت والتسلیمات سے سیکھیں اور سبق یہ ہے کہ صحیح کام کے لیے صحیح آدمی کا چناؤ، آدمیوں کی سیرت سازی

تاکہ وہ سلف کے بہترین خلف تیار ہوسکیں (جانے والوں کے بہترین جانشین ہوں)۔

عربوں کو خاص طور پر اور مسلمانوں کو عام طور پر اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے معاشرے کے ہر فرد سے ضرور کام لیں چاہے وہ مادی ہو یا روحانی، کیونکہ ہر فرد میں کوئی نہ کوئی خاص خوبی ضرور ہوتی ہے، اسے کام میں لاکر ہم جس سوسائٹی میں رہ رہے ہیں اسے فائدہ پہنچا سکتے ہیں تاکہ پورا معاشرہ اس سے فائدہ اٹھا سکے اور وہ اس معاشرہ کے لیے اور اس کے مقصد کے لیے زندہ مثال بن سکے ضروری ہے کہ ہم خوبیوں کو اُجاگر کریں اور خامیوں سے صرفِ نظر کرلیں۔ ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم خامیوں کا چرچا نہ کریں اور خوبیوں سے صرفِ نظر نہ کریں۔

لازم ہے کہ ہم سیرت سازی کریں اور آدمیوں کو ان کے مقام سے نہ گرائیں جو لوگ اپنے ہی معاشرے کے افراد کی حوصلہ شکنی کرکے انہیں گراتے ہیں وہ ہر جگہ مسلمانوں اور عربوں کے دشمن اور اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔

صحیح کام کے لیے صحیح آدمی کا چناؤ ایک ایسا اہم عمل ہے جس سے آدمیوں اور قوموں کی تعمیرِ سیرت ہوتی ہے۔ شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں صحیح کہا ہے:

> ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمی بناتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ بستیاں بناتے ہیں، بستیاں بنانے اور انسان بنانے میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے''۔

اَب سوال یہ ہے کہ وہ کون سے ذرائع تھے جنہیں کام میں لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کے کردار کی ایسی تعمیر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور حقیقتاً ''خیر القرون'' سب دوروں اور زمانوں سے اچھا زمانہ قرار پایا ہے۔

صحیح کام کے لیے صحیح آدمی کے چناؤ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی سے کاربند رہے اور اس کی چاہت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدّت کی حد تک تھی، اس کا اعتراف آج بھی لوگوں کو ہے اور اس وقت بھی تھا۔ کیا آج یہ عظیم خوبی حاصل نہیں کی جا سکتی؟

اس کا جواب تو بڑا آسان ہے اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سرزمین پر اپنے قول اور عمل کی مطابقت میں زندہ مثال تھے اور ہمیشہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنی ذاتی زندگی کی عمدہ مثال پیش کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو بھی بھول گئے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد مضبوط کردار والے دیانت دار افراد اور بہترین صلاحیتوں کے مالک اکٹھے ہو گئے تھے جو اسلامی معاشرہ کی قوت اور امن و سکون کا باعث تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا:

''جس حکمران نے کسی کو کوئی عہدہ یا امارت سونپی اور اسے یہ پتہ ہو کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر صلاحیتوں کا مالک ہے اور اس عہدہ کا اس سے زیادہ مستحق ہے تو ایسے شخص سے اللہ کی ذمہ داری ختم ہو گئی''۔

دیکھا آپ نے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ہم یہ درس حاصل کریں تا کہ خود بھی آرام سے رہ سکیں اور دوسروں کو بھی آرام دے سکیں یا پھر بھی کچھ اور مصیبتیں اور پریشانیاں ہماری قسمت میں ہیں اور اس کے بعد درست اور صحیح راہ پر آ سکیں گے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

ماہرینِ قانون نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بے مثال قانون دان کی حیثیت سے فخر کرتے ہیں۔ سیاستدان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک تجربہ کار سیاستدان کی حیثیت سے فخر کرتے ہیں۔ حکمران اور منصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انصاف پرور اور عادل حاکم و منصف کی حیثیت سے فخر کرتے ہیں اور یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

وہ قومی جذبہ جو عرب مسلمانوں کے خلیج عرب سے بحر اوقیانوس تک پھیلنے کا سبب بنا اور جس سے بحر الکاہل سے لیکر بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی مسلم قوم اپنے افراد کو جوش دلاتی ہے اس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم قائدانہ صلاحیت ہے اور امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائدانہ خوبیوں کو کسی صورت نہ بھولے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا نبوت سے لیکر وصال تک بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی توحید کے لئے جدو جہد پر مرکوز تھی اور مدنی زندگی توحید کی خاطر جہاد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سات سال کے دوران ۲۸ غزوات کی قیادت فرمائی۔ پہلے غزوہ ودان صفر ۲ھ میں قیادت فرمائی جب کہ آخری غزوہ تبوک رجب ۹ھ میں قیادت فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین اور یہود کے خلاف مندرجہ ذیل ۹ جنگوں

❶ ودان ❷ بدر ❸ اُحد ❹ خندق ❺ قریظہ
❻ مصطلق ❼ خیبر ❽ فتح مکہ ❾ طائف

میں حصہ لیا۔ دیگر ۱۹ غزوات میں مشرکین بغیر جنگ لڑے میدان سے بھاگ

نکلے۔ کسی بھی معرکے میں مسلمانون کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت کے دوران ناکامی نہ ہوئی حتیٰ کہ غزوۂ احد میں بھی فوجی نقطۂ نظر سے مسلمان ناکام نہیں ہوئے بلکہ وہ فن سپہ گری Mil Techniques کے لحاظ سے فاتح رہے البتہ جنگی چالوں Tactics میں ناکام ہوگئے (جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واضح احکام کے خلاف تیراندازوں کے اپنی جگہ چھوڑنے کے عمل کی وجہ سے رونما ہوئی)۔

فتوحات کے اسباب Causes of success

پھر وہ کون سے اسباب تھے کہ جن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہر معرکے میں فتح حاصل ہوئی۔ فوجی نقطۂ نظر سے اس کے تین اسباب تھے اور وہ یہ ہیں:

۱ بہترین قیادت: جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔
۲ بہترین سپاہی: تمام سپاہی اولین مسلمان تھے۔
۳ حق و باطل کی جنگ: یہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔

کتاب ”نظامات الخدمتہ السفریہ“ (جو فوجی اصول کی معتبر کتاب ہے) میں مختصر طور پر بہترین قائد کی درج ذیل یہ خوبیاں دی گئی ہیں۔

صحیح اور فوری فیصلہ کرنے کی قوت، ذاتی دلیری اور مضبوط ارادہ، بغیر ہچکچاہٹ کے ذمہ داری اُٹھانا، جنگی اصولوں سے پوری واقفیت، ناقابل تبدیل مورال، (جو فتح یا شکست کی صورت میں تبدیل نہ ہو) گہری نظر ”بصیرت“ ماتحتوں کے مورال اور قابلیت سے پوری واقفیت، قائد اور ماتحتوں کا باہمی اعتماد اور باہمی محبت، مؤثر شخصیت، بے داغ ماضی اور بدنی قابلیت۔

یہ ایک بہترین قائد کی صفات ہیں جو تاریخ میں نمایاں شخصیتوں کے مطالعے سے مختصر طور پر اخذ کی گئی ہیں۔ یہ کسی ایک شخص کی صفات نہیں بلکہ متعدد

شخصیتوں کی صفات کا مجموعہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام صفات کسی ایک شخص میں پائی جائیں۔

میں کوشش کروں گا کہ میں فوجی تاریخ کی بنیاد پر ان صفات کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا موازنہ کروں۔

صحیح اور فوری فیصلہ Quick and Correct Decision

اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ تمام فوجی فیصلے فوری طور پر کئے جانے چاہئیں کیونکہ فوجی حالات نہایت تیزی سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ صرف صحیح فیصلہ ہی فتح کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور صحیح فیصلے مندرجہ ذیل دو عوامل کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں۔

1. قائد کی عقلی قابلیت Mental capability
2. دشمن کے متعلق معلومات کا حصول Info about enemy

کوئی شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال عقلی قابلیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلیت کا نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اعتراف کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی شخصیت ہیں جنھوں نے خوشخبری بھی دی اور ڈرایا بھی، بڑے بڑے عالموں سے مناظرہ بھی کیا اور بحث بھی، جنھوں نے ایک بکھری ہوئی قوم کو یکجا کیا اور ان کے اندر مضبوط ارادے کا پودا لگایا۔ تو کیا یہ نمایاں کامیابی، مؤثر دانا عقل کے بغیر ممکن ہے؟

دشمن کے متعلق معلومات کا حصول۔ دشمن کے متعلق ہراول دستوں کے ذریعے جنگ لڑکر، مشاہدہ کرکے، قیدیوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد ذاتی بصیرت سے اور باہمی مشوروں سے معلومات حاصل کی گئیں۔

غزوہ بدرالکبریٰ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گروہوں اور ہراول دستوں

کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے نواحی علاقوں کے متعلق معلومات حاصل ہوں، بلکہ مکہ معظّمہ کے راستوں کا پتہ چلے، وہاں کے باشندوں سے واقفیت ہو اور ان کے ساتھ معاہدے طے کئے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر میں ایک ریکی پٹرول Recce petrol اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ ابوسفیان کے قافلے کی واپسی پر نظر رکھے اور اس کی ہراول Vanguard کے متعلق اطلاع دے۔ دو اطلاعی دستے اس کے بدر پہنچنے سے پہلے بھیجے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر اطلاع حاصل کی تاکہ دشمن کی قوت کا اندازہ ہو اور اس کی پوزیشن کا پتہ چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قیدیوں سے بھی معلومات حاصل کیں جو غزوہ بدر سے کچھ پہلے ریکی پٹرول نے قید کئے تھے۔ ان سے پوچھ گچھ کے دوران قریش کے ٹھکانوں Position کا پتہ چلا اور ان کی تعداد معلوم ہوئی۔

بے مثال بہادری اور قوی ارادہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال بہادری تمام معرکوں میں ظاہر ہے چاہے وہ اعمال فوجی ہوں یا غیر فوجی معرکہ بدر کو قبول کر لینا ایک بے مثال بہادری ہے۔ غزوہ خندق میں دس ہزار کے لشکر کے سامنے ثابت قدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی بہادری ہے۔ حنین کے دن دس اصحاب رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ثابت قدم رہنا بہادری کے بہترین اوصاف میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ بدر میں بہ نفس نفیس میدان میں اترے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کبھی حالات بگڑتے اور گھیرا تنگ ہوتا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دشمن کے قریب کوئی دوسرا نہ ہوتا۔ میں نے بدر کے دن دیکھا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لیا ہوا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دشمن کے زیادہ نزدیک تھے اور ہم خود آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی لاثانی تھی۔ نزول وحی کے شروع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک مشرکین کی کثیر تعداد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتی رہی جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر متزلزل قوی ارادہ کے مالک تھے۔ قریش کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس دھمکیاں دینے اور ڈرانے کے لئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے کہا "اے بھتیجے آپ کی قوم میرے پاس آئی اور یہ کہا اور وہ کہا۔ یہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر چھوڑتا ہوں اور میں یہ بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> "اللہ کی قسم اے چچا کہ وہ اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر کہ میں اس امر سے باز آجاؤں میں کبھی بھی نہیں رُکوں گا تاوقتیکہ اللہ اسے غالب کردے یا میں اس میں کام آجاؤں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ مضبوط ارادے کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

ناقابل تبدیل مورال

فتح اور ناکامی کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورال میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ انتہائی خطرناک حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اعصاب پر پورا کنٹرول حاصل ہوتا تھا۔

اُحد کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لئے مشرکین کے گھیرے میں آتے وقت اپنے اعصاب کو قابو میں رکھنا آسان بات نہ تھی۔ غزوۂ حنین کے آغاز میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد اور

دس جان نثاروں کے ساتھ مشرکین کی پیش قدمی کے سامنے ڈٹ جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

نظر کی گہرائی (بصیرت)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوجی اور غیر فوجی معاملات میں بے مثال بصیرت سے نوازے گئے تھے۔

اس سلسلے میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ بندی (حدیبیہ) کی شرائط پر رہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دقت نظر سے دیکھ لیا تھا اور گہرے فکر کی وجہ سے اندازہ لگالیا تھا کہ ان شرائط کا قبول کر لینا مسلمانوں کی فتح ہے۔اسی صلح کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون وقرار نصیب ہوا جس سے اسلام کو پھیلنے کا موقع ملا۔یہ اسی صلح کا نتیجہ تھا کہ حدیبیہ کے وقت مسلمان فوج کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی جو کہ دو سال بعد فتح مکہ کے وقت دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مناسب کام کیلئے مناسب شخص کا انتخاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کی نفسیات اور استعداد کو پوری طرح جانتے تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام آدمی کی طرح ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہوئے پروان چڑھے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں میں سے بہادروں کو پہچانتے تھے۔ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو ایسے فرائض سونپے جن میں بہادری کی ضرورت تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ساتھیوں کا بھی پتہ تھا جو غیر مضبوط دل کی وجہ سے لڑائی کے لئے موزوں نہ تھے جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ انہیں اُحد اور خندق کے دن نگرانی کے لئے عورتوں کے پاس چھوڑا اور ان کی بلند پایہ شاعرانہ صلاحیت سے فائدہ اُٹھایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں کون کون صاحب الرائے اور مشورے کے قابل ہیں اور آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر موجودگی میں قیادت سنبھال سکتے ہیں اور کون ایک عام سپاہی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اس کے حق سے زیادہ نہ دیا اور نہ کسی کو ایسی ذمہ داری سونپی جس کو پورا کرنے کی صلاحیت وطاقت اس میں نہ ہو۔

باہمی اعتماد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ اس کے لئے صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کا موقف بیان کر دینا ہی کافی ہے۔ اگر ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھرپور اعتماد نہ ہوتا تو وہ اس صلح سے انکار کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم پر بھی بہت زیادہ اعتماد تھا جس کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سے تین گنا بڑی تعداد کے مقابل صف آراء ہوئے۔ یہ ناممکن ہے کوئی سپہ سالار اپنے آدمیوں کو جنگ میں بھیجے جب کہ دشمن کا پتہ نہ ہو اور اپنے ساتھیوں پر پکا اعتماد نہ ہو۔

باہمی محبت

جنگ اور امن میں اور تمام غزوات کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہمی محبت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ غزوۂ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جان نثاری کو پیش نظر رکھیں جب کہ مشرکوں نے تمام اطراف سے گھیرا تنگ کر دیا تھا اور مسلمانوں نے اپنے جسموں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد دیوار بنائی تھی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزند نہ پہنچے۔

مضبوط مؤثر شخصیت

قریش نے جب عروہ بن مسعود الثقفی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بات چیت

کے لئے بھیجا تو اس نے واپسی پر قریش سے کہا: "اے گروہِ قریش! میں کسریٰ کے پاس اس کے ملک میں گیا۔ قیصر کے پاس اس کے ملک میں گیا اور نجاشی کے پاس اس کے ملک میں گیا اور بخدا میں نے کسی قوم میں کوئی ایسا بادشاہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا نہیں دیکھا کہ وہ وضو کرتا ہے تو لوگ اس کے وضو کے پانی کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اسکے بالوں سے کوئی چیز گرنے سے پہلے ہی اُٹھا لیتے ہیں اور لوگ اسے کوئی چیز اٹھانے نہیں دیتے اور بے حد عزت و احترام کرتے ہیں۔ ایک مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت کو یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

> "آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متواضع، بردبار، درگزر کرنے والے اور رحم کرنے والے تھے۔ اسکے باوجود بھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے کی جرأت نہ ہوتی نہ ہی کوئی ٹکٹکی باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخِ انور کو دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کو ٹال سکتا اور نہ اسے نافذ کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر سکتا تھا"

بدنی قابلیت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلیٰ درجہ کی جسمانی قابلیت کے مالک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو خندق کے دوران سخت چٹان کو توڑتے وقت مشکل پیش آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف رجوع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ چٹان توڑ دی۔ اسی طرح مدینہ سے بدر کے سفر کے دوران میں اپنے ہمسفر دو ساتھیوں حضرت علی اور حضرت لبابہ کی اس پیش کش پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹ پر سوار رہیں۔ آپ کی جگہ ہم پیدل چلیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں اور تمہاری طرح مجھے بھی اجر و ثواب کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ سال کے بارہ مہینوں میں دیکھ بھال، اطلاعی دستوں اور سخت لمبے راستوں میں شرکت فرمائی۔ ان سب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل، قوت برداشت اور صبر کا ظاہر ہوتا ہے جن سے بڑے بڑے طاقت ور بھی عاجز آجاتے ہیں۔

شاندار اور بے داغ ماضی

عرب نسبی لحاظ سے بہت اعلیٰ شمار کئے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں میں سب سے باعزت قوم قریش میں سے تھے اور قریش میں سب سے زیادہ معزز بنو ہاشم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب میں تمام عربوں سے اشرف تھے اور نسب میں سب سے افضل تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والدہ ماجدہ کی طرف سے آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ اور والد ماجد کی طرف سے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف سے تھے۔ بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا بیان ولیم میور کے الفاظ میں جو نہ عرب تھا نہ مسلمان بلکہ متعصب شمار کیا جاتا ہے مندرجہ ذیل ہے:

> ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب تمام سندیں اور شہادتیں اس پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوانی میں تواضع باوقار اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے جس کا وجود مکہ کے لوگوں میں شاذونادر تھا“

جنگی اصول

جنگی اصول وہ جوہر ہیں جو ایک صحیح اور کامل سپہ سالار کو فوجی زندگی میں استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ یہ وہ عنصر ہیں جو قائد کے اندر جنگ لڑنے کے لئے قدرتی طور پر موجود ہونے چاہئیں، نہ کہ انہیں زبردستی ٹھونسا گیا ہو۔

کوئی فیصلہ کرنا اور پھر اس پر قائم رہنا

اس اصول کا اظہار مدینہ منورہ کے باشندوں کے ساتھ معاہدہ کر کے کیا گیا جو ہجرت کے فوراً بعد وقوع پذیر ہوا اس کے بعد کے تمام غزوات میں اس کا اظہار کیا گیا۔

حملہ

ماسوائے دو غزوات اُحد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں اس اصول کو اپنایا گیا۔ ان دو غزووں میں مشرکین نے مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ حملہ کرنے کے معنی اکسانے کے نہیں بلکہ اس کے معنی حملے کی وہ روح ہے جس سے سپہ سالار آراستہ ہوتا ہے کیونکہ دفاع ہی ایک چیز نہیں ہے جو کامیابی کی طرف لے جائے۔ بلکہ یہ کامیابی کی حالت میں مقامی فتح ہے لیکن حملہ کرنے سے کامیابی کی وہ حالت نصیب ہوتی ہے جس سے فتح حاصل ہو سکے اور قائد اس وقت حملہ کرتا ہے جب اسے یقین ہو کر حملہ آوری دفاع کا بہت عمدہ ذریعہ ہے۔

Attack is the best way of defence

غیر متوقع حملہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت اور جگہ کے مطابق اور جدید جنگی طریقوں اور نئے ہتھیاروں کے ساتھ دشمن پر اچانک حملہ کیا۔

طاقت اکٹھی کرنا

وحی کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق پہنچانے کی جدوجہد شروع کر دی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے ساتھیوں کو متحد کرنے کے لئے ہجرت کی اور جہاد کی ابتداء صرف اس وقت ہوئی جب وہاں فوج جمع

ہوچکی تھی۔

امن

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فوج کی دیکھ بھال کی اور اچانک حملے کی صورت میں بچاؤ کا بندوبست کیا اور دشمن کو اپنی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے روکا۔

تعاون

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار اکٹھے کرنے میں جدوجہد کی۔ جنگ کو قطع کیا تاکہ جنگ میں مقصد حاصل کیا جاسکے۔تمام غزوات میں مسلمانوں کے باہمی تعاون کی بہترین مثالیں ملتی ہیں چاہے جنگ کا زمانہ ہو یا جنگ سے پہلے کا زمانہ ہو یا بعد کا۔

مورال کو قائم کرنا

مسلمانوں کا مورال اور حوصلہ ہمیشہ بلند رہا جس سے فتح حاصل کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔

انتظامی امور

اسلام جان اور مال سے جہاد کی تعلیم دیتا ہے جس میں جان کا نمبر بعد میں آتا ہے۔آیات قرآنی میں جہاد بالمال کی آیات جہاد بالنفس سے پہلے آتی ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ انتظامی امور کی اسلام میں کتنی اہمیت ہے۔

بہترین سپاہی کی خصوصیات

مختصر طور پر ایک بہتریں سپاہی کے اوصاف درج ذیل ہیں:

مضبوط عقیدہ، بلند مورال، اعلیٰ ڈسپلن، بہترین سکھلائی اور تربیت، صحیح نظم ونسق اور مکمل ہتھیار بندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپاہیوں کے یہ اوصاف تھے جن کی بناء پر ایک مضبوط اور طاقتور فوج معرض وجود میں آئی۔

حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر کو ان اوصاف سے آراستہ کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں ان اوصاف کو اتارنے کی کوشش کی جن کی وجہ سے ایک ناقابل تسخیر طاقت وقوت وجود میں آئی۔ اسلام سے پہلے وہ منتشر اور الگ الگ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور وہ ذاتی غرور کی وجہ سے سرکش اور ڈسپلن سے بے بہرہ تھے دراصل ان کا کوئی عقیدہ نہ تھا۔

مضبوط عقیدہ

مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور جنگیں لڑیں تا کہ اللہ کا نام بلند رہے۔ ان کا ایمان ہی ان سے اپنے عقیدہ کا دفاع کراتا ہے۔ انہوں نے گھر بار، مال جائیداد کو خیر باد کہا اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا یہاں تک کہ اپنے بچوں، والدین اور رشتہ داروں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ دین کی راہ میں ہر اس چیز کو ٹھوکر ماردی جو آڑے آئی۔

باپ اپنے بیٹوں کے خلاف، بھائی اپنے بھائیوں کے خلاف اور رشتہ دار اپنے رشتہ داروں کے خلاف اصولی مخالفت پر اُتر آئے اور تلواروں نے ان کے درمیان فیصلہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ تھے جبکہ ان کا بیٹا

عبدالرحمن مشرکوں کے ساتھ تھا۔ عتبہ بن ربیعہ قریش کے ساتھ اور ان کا بیٹا حذیفہ مسلمانوں کے ساتھ تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ لیا تو انہوں نے عرض کیا کہ:

> ''میری رائے یہ ہے کہ جو میرا رشتہ دار ہے میں اس کی گردن اڑادوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے قریبی کی گردن اڑادیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے قریبی کی گردن اڑادیں تاکہ اللہ جان لیں کہ مشرکوں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی نرمی نہیں ہے۔''

جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو قلیب میں دفن کرنے کے لئے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فرزند حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا انکا رنگ متغیر تھا اور وہ مایوس نظر آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''حذیفہ! کیا اپنے والد کے بارے میں تمہیں محسوس ہوا ہے؟'' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔'' بخدا نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے والد کے قتل کے بارے میں شک نہیں کرتا۔ میں یہ جانتا تھا کہ میرے والد اہل الرئے، بُردبار اور صاحبِ علم وفضل ہیں۔ مجھے امید تھی کہ انہیں قبولیت اسلام کا شرف حاصل ہوگا۔ جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو مجھے اپنی خواہش یاد آئی۔ کاش ان کا خاتمہ کفر پر نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے میں غمگین ہوں۔''

غزوہ بنی مصطلق میں منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبّی نے مہاجرین و انصار کے درمیان فتنہ کو ہوا دینے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر کو فوری کوچ کرنے کا حکم دیا تاکہ فتنہ پھیل نہ سکے۔ مسلمانوں کے مدینہ پہنچنے پر اسی کے

فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ انہیں اپنے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے کہ اس نے فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف فرماتے ہوئے اس کے مومن بیٹے سے کہا:

''ہم اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے
اس کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک ہی کریں گے۔''

غزوہ بنی قریظہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہودیوں نے ابولبابہ کو مشورہ کے لئے طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ یہودیوں نے ان سے پوچھا۔'' کہ کیا وہ (مسلمان) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آئے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا اور اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا جیسے بتا رہے ہوں کہ ان کا انجام ذبح ہونا ہے۔''

جب یہودیوں نے ابولبابہ سے مشورہ لیا تھا تو اس وقت مسلمانوں میں سے کسی کو ان کے اس اشارے کا علم نہ ہو سکا تھا۔ لیکن انہیں (ابولبابہ) کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ اشارہ کر کے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے تو وہ نہایت ہی پشیمان اور نادم ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور وہ اس طرح رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

فتح مکہ سے کچھ پہلے ابوسفیان بن حرب مدینہ منورہ آئے اپنی بیٹی اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی تھیں، کے گھر آنا چاہا اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچھونا لپیٹ دیا تاکہ ناپاک مشرک اس پر نہ بیٹھے چاہے وہ مشرک ان کا پیارا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

مسلمانوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے عباء بھی اتار کردے دی۔ اسلام لانے سے پیشتر ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ مضبوط عقیدہ اور گہرے ایمان کے بغیر اور کیا چیز تھی جو ان سے ایسے ایسے عمدہ کام کراتی تھی؟ کیا ایسے عقیدے والے ان لوگوں کی طرح لڑتے ہیں جن کا جاہلی خواہشات، عصبیت، فخر وغرور کی محبت کے سوا اپنا کوئی عقیدہ ہی نہ ہو؟ مسلمانوں کا عقیدہ ان کے مقاصد کی بلندی کے باعث اوران کے دفاع کی خاطر انہیں میدانِ جنگ میں موت کی چاہت عطا کرتا ہے۔

بلند مورال High morale

کوئی فوج اپنی تعداد کے لحاظ سے کتنی ہی زیادہ، تنظیم کے لحاظ سے کتنی ہی اچھی اور اسلحہ کے لحاظ سے کتنی ہی ممتاز کیوں نہ ہو بلند مورال کے بغیر اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کی فوج جدید اسلحہ سے لیس تھی اور بہت لڑاکا بھی تھی اس کا ڈسپلن اچھا اور تعداد بھی زیادہ تھی مگر اس کا مورال بلند نہ تھا۔ اس وجہ سے جرمنی پر بھاری بوجھ بن گئی اتحادیوں کی فوج جب اٹلی کے فوجی ٹھکانوں پر قبضہ کرتی تھی تو کہتی تھی کہ یہ فوج سے خالی ہے کیوں کہ جونہی اطالویوں کو کوئی خطرہ یا اندیشہ دکھائی دیتا تھا جنگ کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے تھے اس فوج کا ہونا نہ ہونا گویا برابر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر سے پہلے اور معرکہ کے دوران اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمت بڑھائی اور مورال کو تقویت بخشی تا کہ قریش کی تعداد کے لحاظ سے برتری کو وہ خاطر میں نہ لائیں۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کا مورال بہت بلند تھا حتی کہ چھوٹے بچوں کا مورال بھی اتنا بلند تھا کہ عفراء کے بیٹوں نے ابوجہل کو قتل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کی۔

اگر مسلمانوں کا مورال بلند نہ ہوتا تو وہ غزوۂ بدر میں فتح حاصل کرنے، غزوہ احد میں ایک دن کے اندر مشرکین کو دور ہٹانے میں، غزوہ احزاب میں ثابت قدمی اور غزوہ تبوک کے لئے آگے بڑھنے میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مورال بلند کرنے کے لئے مختلف طریقے آزمائے۔ غزوہ حدیبیہ، عمرہ قضاء اور غزوہ تبوک میدانی معرکے نہ تھے بلکہ وہ تو مورال کے معرکے تھے۔ عمرہ قضا نے اہل مکہ کے دل کھول دیئے اور ان کے مورال کو تباہ کر دیا اور فتح مکہ نے مکہ کے دروازے کھول دیئے۔ غزوہ تبوک کے نتیجے کے طور پر رومیوں کا مورال پارہ پارہ ہو گیا اس سے عربوں کو یقین ہو گیا کہ وہ رومیوں سے جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جب کہ اس سے پہلے وہ اسے محال سمجھتے تھے۔ تمام معرکوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہی رہا کہ دشمن کا مورال ڈاؤن ہو مادی قوت کی تباہی سے زیادہ مورال ڈاؤن کرنا آپ کا مقصد ہوا کرتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی چاہتے تھے کہ دشمن ہدایت اور راہ راست پر آجائے ان کی ہدایت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زندہ رہنے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی:

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جانتے نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر غزوات مورال کے معرکے تھے جو روحوں اور دلوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معرکے ایسے نہ تھے جو جانوں کو نقصان پہنچانے اور جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے ہوں۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کا مورال بلند کرنے میں قضا و قدر پر اعتقاد کتنا مؤثر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ خطروں کا مقابلہ کیا۔ ان کا عقیدہ تھا جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور شہید یقینا جنت

میں ہوگا۔ دو اچھی باتوں میں سے ایک نہ ایک تو ضرور حاصل ہوگی۔ فتح یا شہادت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”تو کہہ دے تم کیا اُمید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں“

عمدہ ڈسپلن Unique discipline

مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے حد مطیع و فرمانبردار تھے۔ حالات کتنے ہی مشکل اور ان کے فرائض کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوتے وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پورے طور پر نہایت ایمانداری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں پر چلتے تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ ڈسپلن کی قوت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کی اتنی مثالیں ہیں جن کو شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔ اسلام میں اطاعت و فرمانبرداری ہی تو اصل دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (سُوْرَةُ النِّسَآء: ۵۹)

”اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں“

ترقی یافتہ سکھلائی Progressive Trainnig

عمدہ تربیت: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی سکھلائی کا اہتمام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:،

”تیر اندازی سیکھنے کے بعد جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے گویا

ایک نعمت کی ناقدری کی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مسلسل تیر اندازی اور گھوڑ سواری جسے موجودہ زمانے میں انفرادی تربیت کہتے ہیں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گروہی جنگ بندی کیلئے پیش قدمی، جنگ کے مختلف طریقے، دن رات کے وقت پہرہ دینے اور ان کے فرائض جسے موجودہ زمانے میں اجتماعی تربیت کہتے ہیں پر بھی پورا زور دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب فوجی حکمت عملی کے مطابق تمام غزوات میں پیش قدمی کے راستوں پر ہراول دستے بھیجے اس سے اپنی فوج کی ضروری حفاظت اور دشمن کے اچانک حملے کی روک میں مدد ملی۔ بدر، احد اور دوسرے اکثر غزوات میں صفوں کے طریق کار کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑے، غزوہ احزاب میں خندق کے پیچھے دفاعی مقامات مقرر کئے اور اس خندق میں خطرناک جگہوں پر پہرہ دار مقرر کر کے اس کی حفاظت کو یقینی بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے خلاف شہری اور جنگل کی لڑائی لڑی۔ اسی طرح سریہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ میں بنو اسد پر صبح سویرے دھاوا بولا گیا۔ ان دونوں جنگوں میں کامیابی بہترین تربیت کی وجہ سے ہوئی۔ مختلف حالات اور واقعات میں دن اور رات میں تھکا دینے والی پیش قدمیاں کی گئیں جو صرف سخت سکھلائی کی وجہ سے ممکن تھیں۔

صحیح تنظیم Correct Organisation

اس وقت مسلمان فوج مہاجرین، انصار اور اس وقت کے مشہور قبائل کے مسلمانوں پر مشتمل تھی یعنی مسلمانوں کی فوج کسی ایک قبیلہ پر نہ تھی بلکہ وہ عرب کے سب قبیلوں پر مشتمل تھی۔ اس لئے ان کی فتح کسی ایک قبیلہ کی فتح نہ تھی۔ اسی طرح کسی ایک قبیلہ کی ناکامی اس کے لئے باعث عار نہ تھی اس لئے کہ یہ فوج کسی ایک قبیلے کی

تھوڑی ہی تھی اور نہ عرب فوج غیر عرب کے خلاف تھی بلکہ یہ خالص اسلام کی فوج تھی۔

عرب اور غیر عرب جو بھی اس دین کے ماننے والے تھے یہ ان کی فوج تھی۔ میرے خیال میں یہ تنظیم صرف عقیدے کی ہم آہنگی سے حاصل ہوتی ہے اور کسی چیز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس بات نے تمام قبیلوں کو اپنی حفاظت سے زیادہ مسلمانوں کی حفاظت کو ترجیح دینے پر مجبور کیا اور اس بات نے جنگ میں مسلمانوں کی مشکل کو آسان کر دیا۔

مکمل ہتھیار بندی To become Fully Equipped

مسلمان رفتہ رفتہ ہتھیار بندی میں بہتر ہوتے گئے صرف غزوۂ خندق کے خاتمہ تک مشرک مسلمانوں سے اسلحے میں فائق تھے ہمیں اس سبز بٹالین کے بارے میں جس کی قیادت غزوہ فتح کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کر رہے تھے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کے تمام افراد آہن پوش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہتھیار بنانے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

''بیشک اللہ ایک تیر کے بنانے میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اس کا بنانے والا جو اپنے نیک کام میں ثواب کا امیدوار ہے اس کو پھینکنے والا اور اس کا سیدھا کرنے والا (یا تیار کرنے والا) پس تیر اندازی کرو اور اگر تم تیر اندازی کرتے ہو تو میرے نزدیک سواروں سے زیادہ پسندیدہ ہو۔''

عادلانہ جنگ

عادلانہ جنگ کے معنی

یہ وہ جنگ ہے جو ایسی قوم کے خلاف لڑی جائے جو دوسری قوموں پر ظلم کا ارتکاب کرے اور اس حرکت سے باز نہ آئے اور اس میں شرط یہ ہے کہ انسانی اصولوں کے مطابق ہو۔ دائمی امن کی خاطر ہو، بے گناہوں کی زندگی اور املاک کا احترام کیا جائے اور قیدیوں اور یرغمالیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

بین الاقوامی اور غیر جانبدار قوانین کے مطابق عادلانہ جنگ سے یہی مراد ہے۔ عادلانہ جنگ دراصل دفاعی جنگ ہے جس کا مطلب زیادتی کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد دائمی امن قائم کرنا، انسانی اغراض و مقاصد کو حاصل نہ کرنا۔ بے گناہوں کی زندگی اور املاک کا احترام اور قیدیوں اور یرغمالیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔ اسلام میں جنگی شرائط چودہ سو سال پہلے ہی بہت منصفانہ تھیں۔ اس کی صراحت آج بیسویں صدی کے بین الاقوامی جنگی قوانین سے ہو رہی ہے نہ شان و شوکت کی لالچ اور نہ ہی اس کے نوآبادیاتی یا مادی اغراض و مقاصد ہیں۔ اس کا مقصد تو صرف آزادیٔ رائے اور عقیدہ کی حفاظت ہے۔

عادلانہ جنگ کے معنی کی تفصیل

دفاعی جنگ ـــــ Defensive War

قریش نے مکہ میں مقیم مسلمانوں پر ہر قسم کے ظلم وزیادتی کو روا رکھا اس ظلم وزیادتی سے بچنے کے لیے مسلمانوں کے پاس اپنے مال، اہل وعیال کو چھوڑنے اور پہلے مکہ سے حبشہ اور پھر آخر میں مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ اکثر مسلمانوں نے صرف اپنے عقیدے کی خاطر مکہ سے ہجرت کی۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو وہیں چھوڑا۔ ان مہاجرین میں زیادہ تر وہ تھے جنہیں ان کی قبائلی حمیت نے قریش کے اس عذاب سے کسی قدر بچایا تھا۔ جو وہ مسلمانوں میں سے کمزوروں کو دیتے تھے۔ قریش کی اس ایذارسانی کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہوئے۔

یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تکذیب واہانت سے دوچار ہوئے اور بے مثال صبر سے اپنے خلاف قریش کے پروپیگنڈہ کو سنا اور نئے دین کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں کو برداشت کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی ان سازشوں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیے کی گئی تھیں نجات پائی۔ اسی طرح مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے اور طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے ان کے تعاقب سے خلاصی پائی۔ اس سے بڑا ظلم اور زیادتی کیا ہو سکتی ہے جس کا شکار مسلمان ہوئے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو قریش کو کہا ''جاؤ تم آزاد ہو''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن سے مجبور ہو کر ہی جنگ لڑی تمام غزوات اندرونی زیادتی کو ختم کرنے کی خاطر ہوئے۔ اگر دشمن کا ذرا بھی امن کی طرف میلان ہوا تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس دشمن سے معاہدوں کے ذریعے ربط پیدا کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی وجوہات کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ غزوات نفسانی خواہشات سے بہت دور تھے اور ثبوت پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی اس لیے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لیے جنگیں نہیں لڑیں۔ قریش کی ایک بڑی تعداد فتح مکہ کے بعد بھی شرک پر قائم رہی اور وہ غزوۂ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور مسلمان بخوبی جانتے تھے کہ وہ اپنے پہلے عقیدہ پر قائم ہیں پھر بھی انہیں کسی نے تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ (سُوْرَةُ الْبَقَرَة:۲۵۶)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں“۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ○

(سُوْرَةُ يُوْنُس: ۹۹)

”اور کیا آپ لوگوں پر مومن بننے کے لئے زبردستی کریں گے“۔

صفوان بن امیہ، ابو سفیان بن حرب اور کلدہ بن الجنید کون تھے۔ کیا مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ ان سب کو زبردستی مسلمان بنا لیتے جبکہ قریش ہتھیار ڈال چکے تھے اور مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تھا۔

یہ کہنا کہ اسلام میں جنگ کا مقصد دعوت کا پھیلانا ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔

دراصل جنگ کا مقصد دعوت حق پھیلانے کے لیے آزادی حاصل کرنا ہے تاکہ دعوت اور سلامتی کا وجود باقی رہے۔ دونوں مقاصد میں کتنا فرق ہے۔ اسلامی جنگ دفاعی جنگ ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ظلم اور زیادتی سے دور ہوتی ہے۔ یہ ایک مقامی دفاع Local Defence نہیں ہوتی بلکہ دفاعی حملہ Defensive Attack ہوتا ہے جس طرح کہ جدید عسکری اصطلاحات میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان زیادتی کی ابتداء نہیں کرتا بلکہ وہ جوابی حملے Counter Attack سے ہر زیادتی کرنے والی طاقت کو ختم کرتے ہوئے اپنی جانوں کا دفاع کرتے ہیں۔

مثالی جنگ

عادلانہ جنگ کی وہی تعریف ہے جو بین الاقوامی ذرائع سے بیان کی گئی ہے اس کے باوجود اگر قدیم و جدید جنگوں کا تذکرہ کریں تو اسلام کی جنگ کے علاوہ کوئی جنگ بھی اس پر پوری نہیں اترتی۔ اسلامی جنگ کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ وہ مثالی جنگ ہے۔ مثالی اس بنا پر کہ اس کے مقاصد آزادئ رائے اور سلامتی کے اصولوں کی سربلندی ہے۔ بے گناہوں اور کمزوروں کے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ قیدیوں اور یرغمالیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جاتا ہے۔ بیماروں اور زخمیوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ مقتولیں کا مثلہ نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے شہیدوں کی طرح دفن کیا جاتا ہے۔ ذاتی منافع کا حصول نہیں اور نہ ذاتی اغراض ہیں نہ نوآبادیاں قائم کرنا اور حقوق غصب کرنا ہیں۔ اگر یہ جنگ مثالی نہیں ہے تو پوری تاریخ میں کون سی ایسی جنگ ہے جو اس معیار پر پوری اتر سکے

یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ یہ جنگ مردوں اور اسلحہ کے ذریعے قلعوں اور مورچوں کو فتح کرنے سے پہلے بلند و بالا مثالوں سے عقلوں کو فتح کر لیتی ہے۔

اس مثالی جنگ میں مغلوب ہونے والوں کے زخموں کو تیزی سے مندمل کیا۔ مغلوب غالب آنے والوں کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے مل گئے تاکہ غالب اور مغلوب ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں جو اسلام کا جھنڈا ہے۔ اگر یہ کوئی ظالمانہ جنگ ہوتی تو ظلم پروان چڑھتا لیکن ظلم کو دوام حاصل نہیں اگر دوام ہوتا تو ظالم و مظلوم دونوں تباہ ہو جاتے۔ کیا ظالم اسے سمجھتے ہیں یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

یہ جنگ مثالی حد تک عادلانہ تھی عربوں نے اس کے بلند مقاصد کی خاطر لبیک کہا۔ پھر انھوں نے ان مقاصد کا پیغام دنیا تک پہنچایا اسے ایرانیوں، رومیوں اور بہت سی دوسری قوموں نے اختیار کیا۔ پھر اپنے اپنے وقت میں اس مشعل ہدایت کو مشرق و مغرب تک لے گئے مشرق نور اسلام سے جگمگا اٹھا جب کہ مغرب جہالت اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اسلام کی استواری کے لئے جنگ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد مشرکوں اور یہودیوں نے صلح سلامتی کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا تو صلح کے اس میلان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حوصلہ افزائی کی اوران سے تمام اہل مدینہ کی آزادیٔ رائے اور امن کا معاہدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر اس قبیلے کے ساتھ جس نے معاہدہ کی خواہش کی معاہدہ کیا جیسے غزوہٗ ودان میں بنی حمزہ کے ساتھ غزوہ العشیرہ میں بنی مدلج کے ساتھ اور غزوہ حدیبیہ میں قریش سے معاہدے طے کئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر کوششیں امن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے تھیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی کچھ نے اسے اچھا خیال نہ کیا جیسے غزوہٗ حدیبیہ کے دوران ہوا۔ سلامتی سکون کی ضامن ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے درمیانی وقفہ کے دوران لوگوں میں اسلام خوب پھیلا اور یہ صلح وسلامتی کا زمانہ تھا۔ جنگ کے زمانہ میں لوگوں کے اندر اسلام نہیں پھیلا بلکہ امن کے زمانے میں جس تیزی اور کثرت سے اسلام پھیلا اتنا جنگ کے زمانہ میں نہیں پھیلا۔ سلامتی کی طرف میلان دین کی روح ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

"اگر وہ سلامتی کی طرف مائل ہوجائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہوجائیں۔"

پس یہ کوئی عجیب بات نہیں، جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن کی طرف سے کسی بھی وقت اور مقام پر پیش کی جانے والی پیش کش کو صرف قبول کرتے ہوئے بلکہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اسلام میں امن وسلامتی ایک مضبوط بنیاد ہے جب کہ جنگ کی حیثیت ثانوی ہے لیکن اسلام سلامتی کی طرف بلاتا ہے، سرنگوں ہونے کی طرف نہیں جو امن وسلامتی سے پیش آئے اس سے امن وسلامتی کے ساتھ اور جو دشمنی اور سختی سے پیش آئے اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہے۔ نہ خود کسی پر ظلم وزیادتی کا روادار ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں پر کوئی اور ظلم وزیادتی کرے۔

انسانیت کی جنگ

بے گناہوں کا احترام Respect of Innocent

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑنے والوں کے علاوہ کسی دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بے گناہوں کے جان و مال کی حفاظت اور عزت کی۔

جب بنوقریظہ نے ہتھیار ڈالے تو مسلمانوں نے عملاً لڑنے والوں ہی کو قتل کیا اس لئے کہ انہوں نے اپنے عہد میں خیانت کی تھی اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا چاہا تھا۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔ اسی طرح یہودیوں میں سے جو لوگ اپنے عہد پر قائم رہے انہیں بھی کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

بنوقریظہ کی صرف ایک عورت کو اس کے جرم کے بدلہ میں قتل کیا گیا۔ اس نے چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر ایک مسلمان کو شہید کر دیا تھا اس کا قتل اس کے اس جرم کی سزا کے طور پر تھا جیسا کہ تاریخ سے واضح ہے۔

جب مسلمان غزوۂ موتہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ عورتوں، بچوں اور اپاہجوں کو قتل نہیں کریں گے نہ مکان گرائیں گے نہ درخت کاٹیں گے۔ کوئی بے گناہ مجرم کے طور پر پکڑا نہیں جاتا، کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔ اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے جس سے کسی بھی طرح روگردانی نہیں کی جاتی۔

قیدی اور یرغمالی Prisoner & Hostages

غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے قریش کے ستر آدمی قید کر لیے تھے۔ ان میں سے ۶۸ قیدیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور فرمایا "تمہیں قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہوں"۔ پھر امیر قیدیوں کو

فدیہ کے بدلے چھوڑ دیا گیا۔ غریب قیدیوں میں سے کچھ کو تو بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیا ان میں سے تعلیم یافتہ قیدیوں کو مسلمان بچوں کی پڑھائی لکھائی کا کام سونپ دیا گیا۔ ان بچوں کی تعلیم کے بعد انہیں آزاد کر دیا گیا۔ لیکن ان ستر میں سے دو کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر قتل کر دیا گیا اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے حق میں جرم کیے تھے اور کمزوروں کو سخت ایذا پہنچائی تھی اور اسلام کی بے حرمتی کی تھی۔ انہیں ان کے جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ نہ اس لیے کہ وہ قیدی تھے۔ جدید عسکری تعبیر کے مطابق یہ دونوں قیدی جنگی قیدی تھے۔ دراصل ان کی سزا ان کے گناہوں اور جرموں کی سزا تھی جو خود انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سریہ عبداللہ بن جحش کے دوران قید ہونے والے دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان میں سے ایک نے تو اسلام قبول کر لیا اور دوسرا خیریت سے مکہ جا پہنچا۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جو موجودہ زمانے میں قیدیوں کے جدید ترین قوانین کے عین مطابق تھا۔ جہاں تک یرغمالیوں کا تعلق ہے تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی ان پر کوئی زیادتی کی ہو، یرغمالی امانت ہیں اور قرآن مجید کا کہنا ہے:

"اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت نہ کرو اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر"۔ (الانفال:۲۷)

زخمی اور مقتول Wounded & Killed

غزوۂ بدر میں کچھ قیدی زخمی بھی تھے۔ مسلمانوں نے ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری اپنے زخمیوں کی طرح کی۔ مسلمانوں نے مشرکوں سے بھی لاپرواہی نہیں کی اور نہ ہی ان کی لاشوں کو کھلا چھوڑا بلکہ انہیں مسلمان شہیدوں کی طرح دفن کیا لیکن اُحد میں مشرکین نے مسلمان شہداء کا مثلہ کیا اور بدترین مثال قائم کی۔

عقیدے کی جنگ

ذاتی اغراض سے پاک

اسلام میں ذاتی اغراض کے پیشِ نظر کبھی جنگ کا اعلان نہیں ہوا۔اس لئے اسلام عام مصلحت اور بہتری کی طرف بلاتا ہے اور اگر ذاتی مصلحت کا خیال رکھا جائے تو عام مصلحت ملحوظ نہیں رہ سکتی اور نہ ذاتی لالچ، جاہ وجلال اور اقتدار کے تسلط کی خاطر بھی جنگ کا اعلان ہوا۔قریش نے اپنے نہایت سنجیدہ شخص عتبہ بن ربیعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بطور قاصد بھیجا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"میرے چچا زاد بھائی! آپ حسب ونسب میں جیسا کہ میں جانتا ہوں بلند مقام پر فائز ہیں اور ہم میں سے ہیں۔آپ کی وجہ سے قوم ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہے اور ان کا شیرازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے بکھر گیا۔میری بات سنو میں کچھ باتیں پیش کرتا ہوں ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ آپ قبول کرلیں۔اگر اس دین سے تمہارا مقصد مال ودولت جمع کرنا ہے تو ہم کئے دیتے ہیں اور تم ہم میں سے سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے اور اگر اس سے مقصود سرداری کا حصول ہے تو ہم تمہیں بلاشرکت غیرے اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں اور تمہارے کسی حکم کے خلاف نہیں کرینگے اور اگر بادشاہی مطلوب ہے تو تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی بات کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔قریش کی دشمنی نے شدت اختیار کرلی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب پر قوم کی جدائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ دشمنی گراں گزری۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مطلع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اے چچا اللہ کی قسم! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور

بائیں میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں تو بھی میں اس کام کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا کرے یا میں خود اس میں کام آجاؤں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اکثر دہرایا کرتے:

''کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیروں، کمزوروں، مسکینوں اور نوکروں کے ساتھ کبھی بھی حقارت سے پیش نہیں آئے۔ ان تمام حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مثالی ہے۔ عقیدہ پھیلانے کی آزادی کی حمایت میں ہی اسلام میں جنگ کا آغاز ہوا اس کے علاوہ ذاتی اغراض کا کوئی بھی دور یا نزدیک کا کوئی سبب نہ تھا۔

نسلی جنگ نہیں

اسلام کسی ایک قبیلے یا قوم کا دین نہیں اور نہ ہی دوسری عجمی قوموں کو چھوڑ کر صرف عربوں کا دین ہے بلکہ یہ تو تمام دنیا کے انسانوں کا دین ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

(سُوْرَةُ الْاَعْرَاف: ۱۵۸)

''کہہ دیجئے کہ میں تم سب انسانوں کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔

اسلام ایک اعلیٰ نظریے پر کاربند ہے۔ یہ وحدت انسانی ہے جس کے جھنڈے تلے وہ سب کو جمع کرتا ہے۔

اسلام قوم پرستی، تعصب، نسلی کش مکش اور نسلی امتیاز کی سخت مخالفت کرتا ہے

کیونکہ وہ تمام عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتا ہے۔ نظریہ بھی ایک اور اللہ بھی ایک، تمام مومن بھائی بھائی ہیں کسی عربی کو غیر عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔ (الحدیث)

اور سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہلِ بیت سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایسی قومیت اور دین ہے کہ جو تمام قومیتوں اور مذہبوں پر حاوی ہے۔ وہ دنیا بھی ہے اور دین بھی، تلوار بھی ہے اور کتاب بھی اور وہی زندگی کا راستہ ہے۔

اجتماعی جنگ ــــ (جنگ عظیم)

جو جرمنی نے چھیڑی تھی اس کی بنیاد جرمن قوم کی نسل پرستی تھی امریکہ جنوبی افریقہ اور دوسرے ملکوں میں کالوں اور گوروں کے درمیان نسلی امتیاز موجود ہے یہ تمام باتیں بیسویں صدی میں ہو رہی ہیں جس کو روشنی، شہری ترقی، ایٹم اور براعظموں کے درمیان مار کرنے والے میزائیلوں کا دور کہتے ہیں۔

لیکن اس سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے نسل اور قومیت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک مقصد کی طرف دعوت دی پس جو شخص اسلام لے آیا اس کا خون، عزت اور مال دوسرے تمام مسلمانوں پر حرام ہو گیا۔

حدیث میں ہے ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی تھے لیکن جب قریش نے مسلمانوں پر زیادتیاں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے خلاف جنگ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے اپنی عرب قوم کے خلاف جنگ کی۔ جب روم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو مٹانے کے لیے رکاوٹیں کھڑی کیں تو اس کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء نے ایرانیوں، رومیوں اور دوسری اقوام کے خلاف جنگیں لڑیں۔

وہ لوگ جو اسلام لانے سے پہلے اپنی نسل اور قوم کی وجہ سے مسلمانوں کے دشمن تھے اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ اسلامی کنبہ کے افراد بن گئے۔ان کے فرائض وہی تھے جو دوسرے مسلمانوں کے تھے اور ان کے حقوق وہی تھے جو دوسرے مسلمانوں کے تھے۔ اسلام نے دنیا و آخرت میں مسلمانوں کے ساتھ مساوات پر برابری قائم کی۔لوگوں کے سامنے بھی اور اللہ کے سامنے بھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (سُوْرَۃُ الْحُجُرٰت: ۱۳)

''تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا (متقی) ہے''۔

غیر مادی جنگ ــــــ Non Material War

اسلام میں جنگ کا مقصد مادی برتری حاصل کرنا، خام مال اور تجارتی منڈیوں کی تلاش، اقتصادی ذرائع کا حصول اور نوآبادیات قائم کرنا نہیں۔

غزوۂ بدر میں مسلمان ابوسفیان بن حرب کے شام سے آنے والے قافلہ کو روکنے کی غرض سے روانہ ہوئے تاکہ قریش کو مکہ اور شام کے تجارتی راستہ سے محروم کر دیں اور اس سے ان کی اقتصادی حالت کو متاثر کریں تاکہ مسلمانوں کے خلاف ان کی ظلم و زیادتی کی شدت میں کمی آجائے لیکن وہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا۔ پھر مسلمانوں کی مشرکوں کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی حالانکہ ان کے لیے مدینہ کو بخیریت واپس آجانے کا پورا امکان تھا اگر بدر کی طرف صرف مادی پہلو ہی ان کے نکلنے کا باعث ہوتا تو وہ قریش کے خیریت کے ساتھ مکہ پہنچ جانے کے علم کے بعد انہی قدموں پر واپس آجاتے۔ غزوۂ حنین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوازن

کے وفد کی آمد کا ایک ماہ تک انتظار کیا تا کہ ان کا وہ مال جو غنیمت کے طور پر مسلمان لے آئے تھے انہیں واپس کر دیں لیکن وہ نہ آئے تو مجبوراً اس مال کو تقسیم کیا۔ ہوازن کا وفد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد پہنچا تو ان کے قیدی انہیں واپس کر دیئے لیکن مالِ غنیمت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ کیا ہوتا؟ پانچواں حصہ جو کہ انہی کو لوٹا دیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے عسکری اور غیر عسکری ضروریات میں خرچ کر دیتے۔

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال میں سے کچھ اپنے لیے بھی رکھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ گھر میں کھانے اور بھوک کا ذکر نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا کر دے دیا تو کھا لیا اور جو کھانے کے لیے پیش کیا گیا قبول کیا۔ اور جو پینے کے لیے دیا گیا پی لیا۔

انہی کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک یہی حالت رہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل نے برابر دو دن بھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔

مزید کہتی ہیں کہ ''ہم آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ تک چولہا نہ جلتا صرف کھجور اور پانی پر گزر اوقات ہوتا''۔

انہی کا ارشاد ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت بھی کسی کو کھلانے کی کوئی چیز میرے ہاں نہ تھی۔ ایک برتن میں تھوڑے سے جو پڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرّہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی پڑی ہوئی تھی''۔

دنیا کا یہ ساز و سامان تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور آل کے لیے بچا کر رکھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال سے دلچسپی ہوتی تو ضرور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال اپنے لیے بچا کر رکھ لیتے۔ جب کہ وہ خاصا تھا۔ بلند مقاصد کا حصول جسم اور روح کو

تھکا دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کے مقاصد کی خاطر یہ تکلیفیں برداشت کیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مسلمانوں کے لیے ہر مقام اور ہر وقت بہترین نمونہ قرار پائے۔

*****

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ